# ولیؔ دکنی

Teaching Lecture
B.A. (Urdu Hons.) III
by
Dr. Fatahullah Quadri
Assist. Prof. Deptt of Urdu
A. N. D. College Shahpur Patori
(Samastipur)

کبھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ کسی زبان، کسی مذہب یا کسی تہذیب کی ابتدا ایک خاص مقام یا علاقہ میں ہوتی ہے، لیکن بعض وجوہات کی بنا پر اسے فروغ دوسرے مقام پر ملتا ہے، اردو کے ساتھ بھی یہی ہوا، شمالی ہند میں اس کی ابتدا ہوئی، لیکن فروغ دکن میں ملا، کئی صدی بعد اردو کی وطن واپسی ہوئی اور وہ بھی ایک دکنی کے دوش پر، ڈاکٹر محی الدین قادری زور لکھتے ہیں:

دن میں نثر کی ابتدا کو چار سو سال سے زیادہ گزر جاتے ہیں اور اس عرصہ میں وہ دو منازل ارتقا بھی طے کر لیتی ہے، مگر شمالی ہند اس سے بے خبر رہتا ہے، صرف یہی نہیں کہ شمال والوں نے اس میں کوئی کام نہیں کیا، بلکہ وہ اس امر سے بھی ناواقف رہے کہ اردو نثر میں کتابیں لکھی گئی ہیں یا لکھی جا سکتی ہیں۔‘‘

دن میں نثر سے زیادہ اردو شاعری مقبول ہوئی، بہمنی سلطنت کے دور میں ’’مثنوی کدم راؤ پدم راؤ‘‘ لکھی گئی، پھر عادل شاہی قطب شاہی ادوار میں اردو شاعری نے زریں تاریخ رقم کی، اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں جب اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا، دکن کے ایک باشندے نے شمال والوں کے سامنے اپنا کلام پیش کیا، جس کو سن کر اہل شمال اپنی کھوئی ہوئی زبان کی طرف متوجہ ہوئے، دکن کے اس باشندے کا نام ’ولیؔ‘ تھا، ولیؔ کا تعلق گجرات سے تھا، جو اس وقت دکن ہی کہا جاتا تھا، میرؔ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

خوگر نہیں کچھ یوں ہی ہم ریختہ گوئی کے
معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا

ریختہ گوئی یعنی اردو کی جانب شمالی ہند کے شعرا کی توجہ مبذول کرانے والا باشندہ ولیؔ دکن ہی کا تھا، ولیؔ خود بھی اپنے آپ کو دکنی کہتے ہیں۔

ولی ایران و توراں میں ہے مشہور
اگرچہ شاعر ملک دکن ہے

یہ شعر یوں بھی ہے ۔

ولی ایران و توراں میں ہے مشہور
وطن گو اس کا گجرات و دکن ہے

بہر حال یہ بات تو ثابت ہے کہ اٹھارہویں صدی میں اردو کو شمالی ہند میں دوبارہ متعارف یا مقبول کرانے میں ولیؔ میں یا ان کے کلام نے اہم کردار ادا کیا۔

نظامیؔ سے ولیؔ اور سراج تک آتے آتے دکنی زبان میں کافی تبدیلیاں آگئیں، اس کی وجہ اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب کی مسلسل دکن میں مہمات جاری تھیں، شمالی ہند کی فوج کے طویل قیام کے سبب دکنی زبان میں دکنیت کم ہوتی چلی گئی اور اس پر شمال کا اثر نمایاں ہونے لگا۔ جس کی مثال ولی اور سراج کے کلا میں نظر آتی ہے، ولی کے کلام ہی سے متاثر ہو کر اردو کو ریختہ کہنے والے اس زبان میں شاعری کرنے لگے، بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

''ولی کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شمال کی زبان کو دکھنی ادب کی طویل روایت سے ملا کر ایک کر دیا اور ساتھ ساتھ فارسی ادب کی رچاوٹ سے اس میں اتنی رنگا رنگ آوازیں شامل کر دیں اور امکانات کے اتنے سرے بھی اُبھار دیئے کہ آئندہ دوسو سال تک اردو شاعری انہی امکانات کے ستاروں سے روشنی حاصل کرتی رہی، اس لیے ولی آئندہ دوسو سال کی شاعری کے نظام شمسی کا وہ سورج ہے، جس کے دائرہ کشش میں اردو شاعری کے مختلف سیارے گردش کرتے ہیں۔''

بلا شبہ ولی نے اردو کے لیے دکن اور شمال کے مابین ایک سفیر کا کام کیا، اسی لیے وہ اردو شاعری کے ''بابا آدم'' بھی کہلائے۔

وؔلی کی زندگی سے متعلق صرف تذکروں کے بیان ہی پر اعتبار کرنا ہوگا، جہاں ان کے اصل نام اور سفر دہلی یا تاریخ وفات پر بھی اختلاف ہیں، وؔلی کا نام کہیں ولی محمد لکھا ہوا ہے، کہیں محمد ولی اور کہیں ولی اللہ، تمام مآخذ کے مطالعہ سے یہ بات یقینی ہے کہ تخلص ولی ہے، جو نام کا حصہ بھی ہے، گجرات سے تعلق ہے، بعض مآخذ کی بنیاد پر ان کا وطن اورنگ آباد بھی کہا گیا ہے۔

وؔلی کا زمانہ سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارہویں صدی کے اوائل کا ہے، ولی کی تعلیم احمد آباد میں حضرت شاہ وجیہ الدین کی خانقاہ کے مدرسے میں ہوئی، جہاں شیخ نورالدین سہروردی موجود تھے، ولی کو ان کی سرپرستی حاصل ہوئی، ولی کا انتقال احمد آباد ہی میں ہوا، کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب کی وفات کے بعد ولی دہلی آئے اور ان کی سعد اللہ گلشن سے ملاقات ہوئی، جنھیں شاعری میں ولی نے اپنا استاد لکھا ہے، شاہ گلشن کا وطن بھی گجرات ہی تھا، لیکن دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی، ولی کی دلی آمد کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ولی دوبار دہلی آئے، پہلی بار اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں، دوسری بار محمد شاہ کے عہد میں۔

ولیؔ کے وطن، نام، تاریخ ولادت یا وفات وغیرہ میں کتنا ہی اختلاف سہی لیکن اس صداقت سے نہ کسی کو انکار ہے اور

نہ کوئی اختلاف کہ شمالی ہند میں اردو شاعری کے فروغ میں ولی نے سب سے اہم کردار ادا کیا، اٹھارہویں صدی کے اوائل میں اہل شمال فارسی ہی کی طرف راغب تھے، لیکن ولی کے کلام کی سادگی، سلاست، نفاست اور شیفتگی دیکھ کر اردو شعر گوئی کی جانب متوجہ ہوئے، اردو کو اپنے جذبات واحساسات کے اظہار کے لیے بہتر پایا، دکن کے بیشتر شعرا نے مثنویاں لکھیں، ولی نے مثنوی کی جگہ غزل کی طرف توجہ دی اور اپنا تمام تر وقت اور صلاحیت غزل کے فن پر قدرت حاصل کرنے میں صرف کردی، ولی کی غزل نے صفائی اور سادگی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ایسی جگہ بنائی کہ وہ فارسی غزل کے رواج پر اثرانداز ہوئی، غزل شاعری کی وہ صنف ہے جس میں ہر طرح کے جذبات واحساسات کو پیش کرنے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں، ولی کی شخصیت کے متعدد پہلو تھے، ان کی شاعری کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ ومشاہدہ نہایت وسیع تھا، ایک جانب وہ صوفیانہ سلسلہ سے قریب ہونے کے سبب انسانی افکار واقدار کا بہ خوبی علم رکھتے تھے، دوسری طرف عوامی رابطوں کی وجہ سے ہندوستانی تہذیب سے بھی انھیں بھرپور واقفیت تھی، ہندوستانی تہذیبی عناصر کی جس قدر مختلف شکلیں ولی کے کلام میں نظر آتی ہیں، وہ کسی دوسرے کے یہاں کم ہی دکھائی دیتی ہیں، ان کی شاعری عشق مجازی وحقیقی کا حسین امتزاج ہے، جس عقیدت کا اظہار وہ خالق کائنات کی ثنا کے لیے کرتے ہیں، اسی صداقت کے ساتھ صمیم قلب سے دنیاوی محبوب کی تعریف کرتے ہیں۔

دکن کی شعری روایت پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ شاعری میں عشق کا تصور اور اس کا اظہار شمال کے مقابلے میں مختلف ہے، اول تو دکن میں عشق کے موضوع کو فوقیت رہی ہے، ان کا محبوب بھی ہندوستانی ہے، دکن کی شاعری میں مقامی رنگ زیادہ نمایاں ہے، جبکہ شمال میں فارسی زبان وادب کا غلبہ ہونے کی وجہ سے یہاں کی تہذیب، زبان اور ادب پر وسط ایشیا یا ایرانی تہذیب وادب کے اثرات واضح نظر آتے ہیں، دکنی شعرا کا عشق بھی ہندوستانی ہے اور محبوب بھی، ولی کے یہاں جس قدر ہندوستانیت موجود ہے وہ بہت کم اردو شعرا کے یہاں دکھائی دے گی، ولی نے اگر ابوالمعالی کے لیے شعر کہتے ہیں تو امرت لال، گوبند لال اور کھیم داس کو بھی اپنی شاعری میں یاد کیا ہے ۔

شمع بزم وفا ہے امرت لال
سرد باغ ادا ہے امرت لال
ماہ نو کی نمن ہے سب کون عزیز
اس سبب کم نما ہے امرت لال
چوں شمع گل پڑیں گے شرمندگی سے گل رو
جس انجمن میں حاضر گوبند لال ہوگا

..................

بے بس کہ آب ورنگ حیا کھیم داس میں
آتا نہیں کسی کے خیال وقیاس میں

ولی اپنی مٹی سے جڑا ہوا شاعر ہے، اس کی غزل میں اس کی مٹی کی خوشبو محسوس ہوتی ہے، اس کی شاعری وطن پرستی کی مثال ہے، ولی کا عشق بھی ہندوستانی ہے اور معشوق بھی ہندوستان ہی کا ہے۔ظہیر الدین مدنی لکھتے ہیں:

''ولی نے ہندی مستعملہ عنصر یعنی ہندوستان کی مذہبی، معاشرتی، تاریخی تلمیحوں، تشبیہوں اور استعاروں، دریاؤں، پھلوں، پھولوں، موسیقی کے سازوں، راگوں، مذہبی زیارت گاہوں کے ناموں وغیرہ کو ہی قائم نہیں کیا، بلکہ اپنے انداز میں تشبیہاً و رعایتاً اس طرح کام میں لیا کہ ان کی شاعرانہ اہمیت واضح کردی اور دوسری طرف اپنی وسیع المشربی، حب الوطنی اور دور بینی کا ثبوت دے دیا۔''

ولی نے اپنے کلام میں ہندی الفاظ کا استعمال انتہائی خوبی کے ساتھ کیا، اٹھارہویں صدی کے بیشتر شعراء فارسی سے متاثر تھے، فارسی لفظیات ہی کے استعمال کو ترجیح دیتے تھے، اٹھارہویں صدی تک نثر تو فارسی ہی میں لکھی جاتی تھی، فضلی نے ضرورتاً ''کربل کتھا'' کا ترجمہ کیا، نو طرز مرصع فارسی آمیز لکھی گئی، اردو شعرا نے اردو شاعروں کے تذکرے بھی فارسی میں لکھے، لیکن ولی کے مقامی لفظیات کے استعمال نے غزل کو نیا آہنگ عطا کیا، ولی اپنے کلام کو فارسی غزل سے کمتر نہیں سمجھتے تھے، خود کہتے ہیں۔

ہم پاس آگئے بات نظیری کی مت کہو
رکھتے نہیں نظیر ریس کی سخن میں ہم

..................

یہ ریختہ ولی کا جا کر اسے سناؤ
رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

جس طرح غالب یا دیگر شعرا نے عموماً اپنی شعرگوئی پر ناز کیا ہے، وہ اپنے آپ کو دوسرے کے مقابلے میں افضل سمجھتے ہیں، مثلاً غالبؔ نے کہا۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

..................

ولی بھی اپنے کلام کو نہ صرف فارسی شعرا سے بلکہ اپنے معاصرین کے کلام سے بہتر سمجھتے ہیں، اس احساس کو وہ بار بار ظاہر کرتے ہیں۔

شاعروں میں اپس کا نام کیا
جب ولیؔ نے کیا یو دیوان جمع

..................

ولی تجھ شعر کو سن کر ہوئے ہیں مست اہل دل

اثر ہے شعر میں تیرے شراب پرتگالی کا

یہ شاعرانہ تعلی عام طور پر سبھی شعرا کے یہاں نظر آتی ہے، لیکن غالب کے دعوے کی طرح ولی کا دعویٰ بھی صحیح معلوم ہوتا ہے، جس طرح غالب اپنے منفرد انداز کے سبب ممتاز نظر آتے ہیں، اسی طرح ولی کے منفرد انداز بیان کی وجہ سے اردو شاعری میں ایک نئے طرز کا آغاز ہوتا ہے، ولی کا کلام اردو شاعری کی تاریخ کا ایک تاریخی موڑ ہے، جہاں سے ایک نیا باب وارد ہوتا ہے، ولی کے کلام کی دلکشی معاصرین کو مسحور کر لیتی ہے، ولی نے دکنی شاعری کی روایت کے مطابق عشق ہی کو شاعری کا مرکز بنایا، لیکن ان کا عشق، عشق صادق نظر آتا ہے، بیان کی سادگی، نزاکت، لطافت اور رعنائیت متاثر کئے بغیر نہیں رہ پاتی۔ احساس اور جذبے کی گرمی، لہجہ کی نرمی کلام میں بے جا حسن پیدا کر دیتی ہے، جس کا سننے والے پر دیرپا اثر ہوتا ہے، دکن کی شاعری میں عورت سے عشق کا تصور واضح نظر آتا ہے، ولی کو صوفی مشرب ہونے کے باوجود عشق مجازی کے بیان میں کمال حاصل ہے، حسن و جمال کی جو کیفیات اور جزئیات ولی پیش کرتے ہیں، وہ احساس میں نغمگی پیدا کر دیتی ہے، وہ ابتذال اور عامیانہ پن سے گریز کرتے ہوئے انتہائی چابک دستی سے دل پر گزری ہوئی کیفیت کو شعری پیکر عطا کرنے کے ہنر سے بخوبی واقف ہیں۔